10

# اگر ہمیں اقلیت قرار دے دیا جائے تو خدا تعالیٰ اکثریت کے دل کھول دے گا اور وہ احمدی ہو جائیں گے اور اس طرح اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے گی۔

(فرمودہ 6/مارچ 1953ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

''دوستوں کو معلوم ہوگا کہ فتنہ بڑھ رہا ہے۔ لاہور کی حالت بہت زیادہ نازک بتائی جاتی ہے۔ ریلوے والوں نے گاڑیاں روک رکھی ہیں اور پولیس اور فوج کو بار بار گولی چلانی پڑتی ہے۔ اس سے اُتر کر سیالکوٹ کی حالت ہے۔ لیکن بہرحال لاہور جو ایک مرکزی شہر ہے وہ خطرہ میں ہے۔ ہمارے پاس ہی کے ایک شہر میں جلوس نکالتے ہوئے "ہندوستان زندہ باد" اور "پاکستان مُردہ باد" کے نعرے لگائے گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحفظِ ختم نبوت کی تحریک ایک سیاسی تحریک ہے جو ماورائے سرحد سے آئی ہے اور یہ مولوی کسی دوسری حکومت کے آلہ کار ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ نعرے کامیاب ہو جائیں تو سمجھ لو کہ مسلمان کے لیے اس علاقہ میں کوئی بھی ٹھکانا باقی نہیں رہتا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں اس وقت ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ مستعد رہے اور خدا تعالیٰ

سے دعائیں کرے۔اور جماعتی طور پر اس کی جو ڈیوٹی لگائی جاتی ہے اُسے کَمَا حَقُّهٗ پورا کرے اور حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے۔اس وقت ملک کی حکومت وہی ہے جس کی کوشش سے پاکستان وجود میں آیا تھا۔لیکن اگر کوئی اَور حکومت بھی ہوتی تب بھی وہ ان باتوں کو برداشت نہ کرتی۔پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حکومت کی تائید کرے تا مسلمان اِس فتنہ سے بچ جائیں جو برپا کیا گیا ہے۔

پس میں آج لمبا خطبہ نہیں پڑھنا چاہتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وقت خطبات کا نہیں، کام کا وقت ہے۔۔۔۔☆ جو باتیں سن کر سمجھ لیتے ہیں کہ اُن کا فرض ادا ہوگیا۔ جہاں تک شہر کا تعلق ہے اس کی حفاظت کی۞ جماعتوں کو بھی لکھیں کہ وہ گورنمنٹ اور ملکی حالات کو خراب کر رہے ہیں۔ میں نے جماعت کو بعض نصائح کی تھیں۔ جماعتوں نے ان نصائح پر عمل کیا ہے۔ جماعتوں کے نمائندے بھی یہاں آئے ہیں اور اُن کو ہدایات دی گئی ہیں۔اکثر جماعتوں کے نمائندے حکام سے ملے ہیں اور جماعتوں نے آپس میں بھی تنظیم کی ہے۔ بہرحال جماعت کے افراد پر یہ بات روشن ہوگئی ہے کہ انہوں نے اپنی جگہوں سے بھاگنا نہیں۔موت بہرحال آنی ہے، اور اگر موت بہرحال آنی ہے تو جب وہ اپنی جگہوں پر رہیں گے تو بھاگ کر بُزدل نہیں بنیں گے۔ باہر سے جو رپورٹیں آرہی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے افراد نے اس سبق کو اچھی طرح سیکھ لیا ہے اور وہ اس پر عمل کرنے کے لیے تیار اور آمادہ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب کوئی قوم مرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے تو اُس کا مارنا مشکل ہو جاتا ہے۔اُس وقت خود ذمہ دار افسروں کے اندر بھی بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تک جماعت مرنے کے لیے تیار نہیں ہو جاتی اُس وقت تک حکام یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انہیں ڈرا دھمکا کر بھگا دیا جائے تو ہم پر کیا الزام آئے گا۔ہم کہہ دیں گے کہ ہم تو مدد کے لیے آ گئے تھے یہ خود بھاگ گئے ہیں۔لیکن اگر کسی جگہ دس احمدی بھی رہتے ہیں اور وہ دس احمدی یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم مر جائیں گے لیکن اپنی جگہ نہیں چھوڑیں گے تو حکام کو بہانہ بنانے کا موقع نہیں مل سکتا۔اگر سو جگہوں سے اس قسم کی رپورٹ شائع ہو جائے کہ فلاں فلاں جگہ دس، پندرہ یا بیس احمدی تھے وہ سارے کے سارے مارے گئے، افسروں نے اُن کی حفاظت کے لیے کچھ نہیں کیا۔

☆و۞ : اصل مسودہ میں چند الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔

مثلاً یہ شائع ہو جائے کہ ایک ضلع میں ایک ہزار احمدیوں کو مار دیا گیا ہے تو ضلع کا ذمہ دار افسر اپنے عہدہ پر قائم نہیں رہ سکتا چاہے اوپر کے افسر اُس کے ہمدرد ہی ہوں۔ پھر یہ خبر ساری دنیا میں پھیلنے والی ہے۔ اِس سے حکومت بدنام ہو جائے گی۔ پس صحیح پالیسی یہی ہے کہ اگر کوئی قوم خطرہ میں ہو تو وہ اُس خطرہ کو اپنی ذات پر برداشت کرے۔ اپنی جگہ سے بھاگ کر بہانہ خور افسروں کو بہانہ بنانے کا موقع نہ دے۔ وہ دشمن کو ہنسی کا موقع نہ دے اور نہ ہی بھاگ کر اپنے ایمان کو ضائع کرے۔ اصل دیکھنے والی بات تو یہی ہے کہ کیا کوئی ایسا شخص دنیا میں پایا جاتا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے، مرے نہیں؟ اور اگر کوئی ایسا شخص نہیں پایا جاتا جس نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ اگر ہر انسان نے مرنا ہے تو پھر وہ عزت کی موت مرے بزدلی کی موت کیوں مرے۔ دنیا کے تمام مذاہب اور اقوام کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ انسان کو ایسے موقع پر اپنی جگہ سے نہیں ہلنا چاہیئے۔ اُسے دشمن کے آگے ہتھیار نہیں پھینکنے چاہئیں۔ یہ مسئلہ ایسا ہے جو دنیا کے نزدیک مسلّم ہے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب کے نزدیک مسلّمہ ہے۔ جن لوگوں نے اخلاق پر غور کیا ہے وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ایسے موقع پر انسان کو اپنی جگہ سے نہیں ہلنا چاہیے۔ اُسے ظالم کے سامنے اپنا سر نہیں جھکانا چاہیئے۔ اس صورت میں اگر وہ مر جائے گا تب بھی اس کا نام زندہ رہے گا اور اگر زندہ رہے گا تو ہر شخص اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اس لیے کہ اُس نے خطرناک صورتِ حالات کا نہایت دلیری سے مقابلہ کیا ہے۔

اب ایک نیا پہلو اس تحریک کا پیدا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے بعض سیاسی آدمیوں کی تحریک اور انگیخت پر اس فتنہ نے کراچی کا رُخ کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ خواجہ ناظم الدین صاحب نے ہمارے مطالبات کو نہیں مانا اس لیے ہم اُن کے گھر پر پکٹنگ (PICKETING) کریں گے یا اَور شورش جو ہم کر سکتے ہیں کریں گے۔ اس فتنہ کے متعلق جو معلومات ہم نے حاصل کی ہیں اُن سے پتا چلتا ہے کہ ان لوگوں کی دو پارٹیاں ہو گئی ہیں۔ ان میں سے ایک پارٹی وہ تھی جس کو پنجاب کے سرکردہ لوگوں کی مدد حاصل تھی۔ وہ پارٹی اِس بات کے حق میں تھی کہ اس فتنہ کو پنجاب سے نکالا جائے اور دوسری جگہ شروع کیا جائے تا پنجاب کی حکومت، پنجاب، مسلم لیگ اور اس کے کارکن بدنام نہ ہوں۔ دوسری پارٹی یہ سمجھتی تھی کہ احمدیوں کا غلبہ پنجاب میں ہے۔ ہمیں یہیں شورش کرنی چاہیے تا جن لوگوں کے سامنے ہم نے جوش وخروش سے لیکچر دیئے ہیں۔ ان کے سامنے مرنے مارنے کا اظہار کیا ہے انہیں

اطمینان ہے اگر ہم پنجاب سے باہر چلے گئے تو وہ کیا کہیں گے۔ اگر ہم نے کراچی جا کر پکٹنگ کی اور وہاں جا کر بیٹھ گئے تو ہمارے اس اقدام سے پنجاب کے لوگ خوش نہیں ہو سکتے۔ وہ کہیں گے کہ مولوی بھاگ گئے ہیں۔ اس لیے ہمیں جو کچھ کرنا ہے یہیں کرنا چاہیے۔ سردست وہ پارٹی غالب آ گئی ہے جس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہمیں پنجاب میں کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن یہ غلبہ عارضی ہے ہمیں ایسی رپورٹیں مل رہی ہیں کہ لوگ کہہ رہے ہیں مولویوں نے ہم سے دھوکا کیا ہے۔ جب یہ خیالات بڑھ جائیں گے اور مولویوں کو یہ نظر آنے لگے گا کہ ان کی گدّی چِھن گئی ہے تو وہ کہیں گے پنجاب میں بھی لُوٹ مار کرو تا عوام خوش ہو جائیں۔ اس لیے ہماری جماعت کو فتنہ کے کراچی میں منتقل ہو جانے کی وجہ سے خوش نہیں ہونا چاہیے۔ تم بیوقوفی کرو گے اگر یہ سمجھ لو گے کہ فتنہ ٹل گیا ہے۔ ہم تو اندرونی خبر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے ہمیں زیادہ حالات معلوم ہیں۔ ہم چاروں طرف کی خبریں جمع کرتے ہیں اور پھر اُن سے نتیجہ نکالتے ہیں۔ ہم معلوم کرتے ہیں کہ ان میں سے کونسی خبر سچی ہے کونسی جھوٹی ہے اور کون سی خبر میں مبالغہ ہے۔ اِس وقت تک جو خبریں ہمیں ملی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ خطرہ دبا نہیں۔ ہاں کچھ وقت کے لیے ٹل گیا ہے۔ پس جماعتوں کو اپنے انتظامات قائم رکھنے چاہییں اور اس فتنہ کے ٹلنے کی وجہ سے خوش نہیں ہونا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ فتنہ کا کراچی میں منتقل ہونا ملک کے لیے زیادہ مضر ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ملک میں ڈکٹیٹر شپ قائم کرنیکی کوشش کی جارہی ہے۔ جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ میں یہ فرق ہے کہ جمہوریت میں جن اصولوں اور قواعد کے ماتحت پبلک کی آواز حکومت تک پہنچائی جاتی ہے انہیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور ایک فرد کے ذمہ ساری بات لگا دی جاتی ہے۔ یہ مطالبہ بظاہر وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین صاحب سے ہے۔ مگر لوگ اِس کی حکمت کو نہیں سمجھے۔ بظاہر یہ بات نظر نہیں آتی کہ ملک میں ڈکٹیٹر شپ قائم کی جارہی ہے لیکن در پردہ یہی بات ہے کہ ملک میں ڈکٹیٹر شپ قائم کی جارہی ہے۔ آخر خواجہ ناظم الدین ایک وزیر ہیں۔ اور وزیر ہونے کی وجہ سے انہیں قانونی طور پر کوئی زائد حق حاصل نہیں۔ جمہوریت کا تقاضا ہے کہ وزیر اعظم ہونے کی وجہ سے وہ وہی کچھ کریں جو اُن کی کیبنٹ (Cabinet) کہے اور جمہوریت کا تقاضا ہے کہ کیبنٹ انہیں وہی مشورہ دے جس پر ملک کے نمائندوں کی اکثریت قائم ہے۔ جمہوریت کہتی ہے کہ جو کچھ

کوئی لینا چاہتا ہے اُسے انتخاب کے ڈنڈے سے حاصل کرے۔ وہ اپنے ہم خیال لوگوں کو اسمبلی میں بھیجے اور ایسے قوانین پاس کرائے جن سے اُس کا مطلب حل ہو جائے ورنہ صرف یہ کہہ دینا کہ ہمارے ساتھ اکثریت ہے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ دوسرا شخص کہہ سکتا ہے کہ ہمیں شبہ ہے کہ اکثریت تمہارے ساتھ شامل نہیں۔ ہمارا ملک جمہوری ہے اور جمہوریت نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ اکثریت کی رائے کو ان کے نمائندوں کے ذریعہ ظاہر کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں ہم باز آئے اس بات کو ماننے سے کہ تمہارے ساتھ ملک کی اکثریت ہے تم اپنے نمائندے مقرر کرو۔ وہ نمائندے کثرتِ رائے سے جو بات کہہ دیں گے ہم مان لیں گے۔ غرض نمائندوں کی کثرتِ رائے وزراء کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ان کی خواہش کے مطابق کام کریں۔ اور وزراء کی کثرتِ رائے وزیراعظم کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اُن کی خواہش کے مطابق کام کرے۔ جب جمہوریت کا یہ طریق ہے کہ صرف ایک وزیر کچھ نہیں کرسکتا تو اب کسی جماعت کا یہ کہنا کہ فلاں وزیر ایسا کردے اس کا یہ مطلب ہے کہ تُو وزراء کی کثرتِ رائے کی پروانہ کر۔ اور اگر وزارت کو یہ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم پبلک کے نمائندوں کی کثرتِ رائے کی پرواہ نہ کرو اور اسی کا نام ڈکٹیٹرشپ ہے۔ خواجہ ناظم الدین صاحب کو کہا جاتا ہے کہ جمہوریت کو چھوڑ دیں، سارے حقوق خود لے لیں اور وزراء کی رائے کو نظرانداز کردیں۔ کیبنٹ میں دس گیارہ وزیر ہیں۔ اب اگر خواجہ ناظم الدین صاحب سے یہ کہا جاتا ہے تو اس کا صاف طور پر یہ مطلب ہے کہ آپ وزارت کی پروانہ کریں۔ اور اگر وزارت سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسا کرو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس پر زور دیا جارہا ہے کہ تم اسمبلی کی پروانہ کرو اگر اسمبلی کے ممبران سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم فلاں کام کرو اور وہ نہیں کرتے تو قاعدہ یہ ہے کہ تین چار سال کے بعد اسمبلی کے ممبر بدل جاتے ہیں اگر تم نے کوئی بات منوانی ہے تو آئندہ ایسے نمائندے بھیجو جو تمہاری رائے سے متفق ہوں۔ پس یہ تحریک، جمہوریت کے بالکل خلاف ہے۔ خواجہ ناظم الدین صاحب ایک جمہوری ملک کے وزیراعظم ہونیکی وجہ سے خود کچھ نہیں کرسکتے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ڈکٹیٹرشپ کا دعویٰ کریں گے۔ پھر صرف وزارت بھی اُس وقت تک کچھ نہیں کرسکتی جب تک اسمبلی کے ممبروں کی اکثریت یہ نہ کہے کہ تم یوں کرو۔ اسمبلی جو کام کرنا چاہتی ہے اس کے متعلق وہ قانون بنادیتی ہے اور قانون بنانے کے بعد جس چیز کو وہ چاہے ڈراپ کردیتی ہے۔

پس اگر خواجہ ناظم الدین صاحب خود کچھ کرتے ہیں تو اس کا نام ڈکٹیٹر شپ ہے۔ لیکن تعجب ہے ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام جمہوریت سکھاتا ہے اور دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ جمہوریت کی پروانہ کی جائے۔ صرف ایک آدمی جو چاہے فیصلہ کر دے۔ اگر خواجہ صاحب نہیں کریں گے تو گردن زدنی قرار پائیں گے اور اگر کریں گے تو ڈکٹیٹری کا دعویٰ کریں گے۔ ایک دوست نے مجھے بتایا کہ ہم ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ایک ہندوستانی مہاجر وہاں آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے ہاں جو جانور مارکھنڈ ہو جاتا ہے اُسے کہتے ہیں دو چُھری یعنی اُس کو ماردو۔ اگر خواجہ صاحب قانون کی پابندی کرتے ہیں تو ان لوگوں کے نزدیک گردن زدنی بن جاتے ہیں۔ اور اگر ان کی بات مان لیتے ہیں تو قانون شکن بن جاتے ہیں۔ اب دیکھو خواجہ صاحب کے سامنے یہ بات پیش کر کے انہیں کتنی خطرناک حالت میں ڈال دیا گیا ہے۔ ان کے لیے دونوں طرف مصیبت ہے۔ اگر وہ ان کی بات نہیں مانتے تو ان کے نزدیک گردن زدنی قرار پاتے ہیں اور اگر مان لیتے ہیں تو ملک سے غداری کرتے ہیں۔ ملک نے انہیں ایسا کوئی اختیار نہیں دیا کہ وہ اکیلے کوئی فیصلہ دے دیں۔ قوموں کو اقلیت قرار دینا کسی فرد کا کام نہیں۔ یہ کام ملک کے آئین کا ہے۔ اور جب حکومت کو اس قسم کے خطرے میں ڈال دیا جائے تو یہ ڈکٹیٹر شپ کی آواز ہے جسے بلند کیا جاتا ہے۔

پس تم خوش کیسے ہو سکتے ہو کہ بلاء ٹل گئی۔ اس بلاء کا تمہارے اور تمہارے بیوی بچوں پر آنا جتنا خطرناک ہے حکومت اور اس کے وزراء پر آنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کا نظم ونسق سالہا سال تک خراب ہوتا جائے۔ جیسے جنوبی امریکہ کی ریاستوں میں ہوتا ہے یا بلقان کی ریاستوں میں ہوتا ہے کہ ایک حکومت قائم ہوئی اور ٹوٹ گئی پھر دوسری حکومت آئی مگر پھر بغاوت ہوئی اور دوسری پارٹی غالب آ گئی۔ انگریزی میں یہ محاورہ بن گیا ہے کہ جب کسی فتنے کو بیان کرنا ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ بات تو بلقان والی ہے۔ اِسی طرح امریکہ والے کہتے ہیں یہ حالت تو جنوبی امریکہ کی ریاستوں کی سی ہے۔ وہاں بھی یہی ہوتا ہے کہ کبھی ایک حکومت قائم ہوتی ہے اور کبھی دوسری پارٹی اُس پر غالب آ کر اپنی نئی حکومت قائم کر لیتی ہے۔

پس یہ لوگ جو چاہیں مطالبہ کریں لیکن اس کا جمہوری طریق یہ ہے کہ وہ آئندہ اسمبلی میں ایسے نمائندے بھیجیں جو ان کی بات کی وہاں تائید کریں اور ان کے منشاء کے مطابق قانون

بنوا دیں۔ آخر پانچ سال تک جماعت احمدیہ کے اقلیت قرار نہ دیئے جانے کی وجہ سے ان کا کیا نقصان ہوا ہے؟ دوسال اَور انتظار کرلیں۔ اگر نئی اسمبلی یہ فیصلہ دے دے کہ ہم اقلیت ہیں تو ہم اقلیت بن جائیں گے۔ ہمارا کیا ہے۔ ہم پھر بھی وہی کچھ کہیں گے جو اَب کہہ رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر جماعت پر یہ لوگ اس رنگ میں حملہ کریں گے اور زبردستی اُسے اسلام سے باہر کرنے کی کوشش کریں گے تو خدا تعالیٰ خود ہماری مدد کرے گا۔ اگر ہمیں اقلیت قرار دے دیا جائے تو خدا تعالیٰ اکثریت کے دل کھول دے گا اور وہ احمدی ہو جائیں گے اور اس طرح اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے گی ۔ یہ چیز خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو جتنا غصہ دلائیں گے اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہم نے کب کہا ہے کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہی سب کچھ کرتا ہے۔ یہ لوگ اُس سے جتنا ٹکرائیں گے ہمارے لیے اُس کی مدد بڑھ جائے گی۔ میں چند دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ بیعت بڑھ رہی ہے اور چٹھیوں میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ موجودہ شورش نے ہماری توجہ احمدیت کی طرف پھیر دی ہے۔ حالانکہ چاہیے تھا کہ اس شورش سے ڈر کر لوگوں کی توجہ احمدیت کی طرف سے ہٹ جاتی ۔لیکن ہمیں نظر آتا ہے کہ لوگوں کی توجہ بڑھ رہی ہے۔ پس اگر یہ لوگ ہم پر ظلم کریں گے یا ہماری وجہ سے حکومت پر ظلم کریں گے تو ہم یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہماری اور ملک کی مدد کرے گا۔لیکن عوام کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ملک پر کوئی مصیبت آئی تو ان مولویوں کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ جب مشرقی پنجاب میں مار دھاڑ ہوئی تو عوام ہی مارے گئے تھے مولوی نہیں مارے گئے تھے۔ اگر عورتوں کو اغوا کیا گیا تھا تو عوام کی عورتوں کو اغوا کیا گیا تھا۔ اب بھی اگر ملک کا نظم ونسق بدلا اور خدانخواستہ کسی غیر ملک کی فوجیں پاکستان میں داخل ہوئیں تو یہ مولوی بھاگ جائیں گے۔ مارے جائیں گے تو عوام، پکڑے جائیں گے تو عوام، عورتیں اور بچے اغوا کئے جائیں گے تو عوام کے۔ پس ملک کو تباہ کرنیکی بجائے تم صحیح طریق اختیار کرو۔ اگر تم کوئی فیصلہ کروانا چاہتے ہو تو اپنے نمائندوں پر اثر ڈالو۔ اگر ان کی اکثریت تمہارے حق میں ہو جائے گی تو تمہارے حسبِ منشاء فیصلہ ہو جائے گا۔لیکن تم اس سے پہلے ملک کے نظم ونسق کو کیوں خراب کرتے ہو؟ اگر اتنی دیر تک احمدیوں کو اقلیت قرار نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑا تو کچھ دیر اور انتظار کر لیں۔ اس سے کیا فرق پڑے گا۔ اگر اکثریت تمہاری طرف ہوگئی تو تم ہمیں

اقلیت قرار دینے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ اگر اسمبلی کے ممبروں کی اکثریت ہمیں اقلیت قرار دے دے گی تو ہم بھی مان لیں گے۔ تم قومی زور لگاؤ ہم شرعی زور لگائیں گے۔ ہم خدا تعالیٰ سے کہیں گے کہ ان لوگوں نے ہمیں اقلیت قرار دیا ہے اب تُو اکثریت کے دلوں کو کھول دے کہ وہ احمدیت قبول کرلیں اور اقلیت کو اکثریت میں بدل دے۔ تم یہ کہو کہ اسمبلی کے ممبروں کی اکثریت تمہاری بات مان لے اور وہ ہمارے قتل کا فیصلہ کر دے۔ ان دونوں طریقوں کو جمہوریت درست قرار دیتی ہے۔ ہمارا خدا تعالیٰ سے دعا کرنا بھی جمہوریت ہے اور تمہارا بندوں سے کہنا بھی جمہوریت ہے۔ یہ لوگ بندوں پر زور دیں گے کہ اسمبلی کے ممبران کی اکثریت ان کی طرف آجائے اور احمدیوں کے خلاف فیصلہ کر دے اور ہم خدا تعالیٰ سے دعا کریں گے۔ بہرحال اسمبلی کے ممبران کی اکثریت جو فیصلہ کرے گی وہ جمہوریت کے مطابق ہوگا لیکن اکیلے خواجہ صاحب کی یا کسی اور فرد کی نہیں چلے گی۔ باقی ہمارے لیے یہ راستہ کھلا ہے کہ ہم جمہوریت کے باپ کی طرف توجہ کریں اگر بیٹے سعید ہوں تو باپ کی مرضی بیٹوں کی مرضی پر غالب آجاتی ہے۔ لیکن جہاں باپ طاقتور ہو وہاں بیٹے سعید ہوں یا نہ ہوں۔ بیٹے باپ کی بات مان لیتے ہیں۔ اور ہمارا خدا تو طاقتور ہے۔ وہ جب اپنی بات منوانا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُس میں حائل نہیں ہو سکتی۔

بہرحال ان لوگوں کا موجودہ طریق درست نہیں ان کے طریق کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ اے خواجہ صاحب! آپ ہماری بات مانیں۔ وزارت یا اسمبلی کی پروانہ کریں۔ حالانکہ اِس مطالبہ کو منوانے کا صحیح طریق یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے لیگ کا مقابلہ کریں اور اُسے شکست دے کر اپنے ساتھیوں کو آگے لائیں اور اکثریت کو اپنی طرف کرلیں۔ پھر دیکھیں کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ اکثریت ان کے ساتھ نہیں اسی لیے یہ لوگ جمہوری طریق اختیار نہیں کرتے۔ درمیانی طریق اختیار کرنے کے معنے ہی یہ ہیں کہ اکثریت ان کے ساتھ نہیں۔ جب الیکشن آتا ہے تو یہ لوگ کہہ دیتے ہیں ہم مسلم لیگ کے ساتھ ہیں کیونکہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس وقت ننگے ہو جائیں گے۔ اور جب الیکشن کا وقت گزر جاتا ہے تو یہ لوگ حکومت کے خلاف ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہماری بات مانو! اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔

پس ان لوگوں نے جو طریق اختیار کیا ہے وہ جمہوری نہیں اور نہ ہی ملک کے لیے مفید

ہے۔ اگر عوام ان لوگوں کو یہ کھیل کھیلنے دیں گے تو وہ جان لیں کہ یہ آگ اُن کے گھروں تک بھی پہنچے گی۔ اور اگر اس دوران میں ملک میں دشمن گھس آیا تو اُس کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگا۔ کیونکہ پھٹے ہوئے دل بہادری سے نہیں لڑتے ۔ پس تم ملک کی حفاظت کرو، تم قوم کی حفاظت کرو اور ان مولویوں کو ملک کا امن برباد نہ کرنے دو۔ اگر تم نے ان مولویوں کو کھلا چھوڑ دیا تو اس کا نتیجہ سارے ملک کے لیے خطرناک ہوگا۔ یہ بات تو میں عام لوگوں سے کہتا ہوں۔ لیکن اپنی جماعت سے میں یہ کہتا ہوں کہ فتنہ ٹل گیا ہے دبا نہیں، اور اگر دب بھی گیا ہے تو پھر بھی انہیں خوش نہیں ہونا چاہیے۔ اگر جمہوریت کو مارا جاتا ہے تو یہ بات تمہارے لیے بھی مُضِر ہے اور ملک کے لیے بھی مُضِر ہے۔

اگر جمہوری روح ماری گئی اور ایک وزیر کو وہ اختیار دے دیا گیا جو جمہوریت کے اصول کے مطابق اُس کا حق نہیں تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ وہ ڈکٹیٹر بن گیا ہے۔ پس اگر یہ روح قائم رہی تو ملک کے لیے نہایت خطرناک ہوگی اور ملک ان حالات میں کسی صورت میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ جس خدا نے ہمیں پاکستان دیا ہے وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔"

(غیر مطبوعہ مواد از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)